سرفروش مجاھد — اسعد گیلانی

شاہ اسمٰعیل شہید

پورا نام ——— شاہ محمد اسمٰعیل

والد کا نام ——— شاہ عبد الغنی

مقام پیدائش ——— دھلی

تاریخ پیدائش ——— ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱۹۳ھ مطابق ۲۶۔ اپریل ۱۷۷۹ء

آپ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کے پوتے تھے گویا اس خاندان سے تعلق تھا۔ جو علم و فضل کا سرچشمہ تھا۔

چنانچہ تعلیم کی ابتداء گھر سے ہی ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ دس برس کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ تو فاضل اور بزرگ چچا شاہ عبد القادر دھلوی نے آغوش محبت میں لے لیا۔ انہی سے دینی علوم حاصل کیے۔ ۱۵۔ ۱۶ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ ابتداء سے انتہائی ذہین، زود فہم اور سلیم الطبع تھے۔ ان کی ذہانت کی دھوم تھی۔ آپ کو تاریخ اور جغرافیہ کے علوم سے خصوصی دلچسپی تھی۔

شاہ صاحب کو فنون جنگ سے بھی بہت لگاؤ تھا۔ گھوڑے کی سواری کی بہت مشق پیدا کی تھی بنوٹ پٹے بازی، تیراکی جو اس وقت بھی علماء کے درجے سے کم تر کام سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے محنت اور ذوق و شوق سے سیکھے۔ گولی چلانے کی اتنی استعداد پیدا کی کہ چھوٹے چھوٹے پرندوں تک کو گولی سے گرا لیا کرتے تھے جھلستی دھوپ اور کڑکتے جاڑوں کی برداشت کی قوت پیہم مشق سے فراہم کی۔

عمر اور علم کی پختگی کے ساتھ ہی تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جن کا مقصد مسلمان معاشرے کو جو شرک، بدعات اور رسوم و رواج جاہلانہ کا مرقع بنا ہوا تھا۔ اصلاح کی دعوت دینا تھا۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے وہ سب لوگ جو اعتدال کی راہ سے ہٹ کر اپنے اپنے اڈوں پر اپنے مخصوص طرز فکر اور معتقدات کا جال بچھا کر جاہل مسلمانوں کو لوٹ کھسوٹ رہے تھے۔ پنجے جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑ گئے۔ طرح

طرح کے شوشے چھوڑے جاتے اور سوالات اٹھائے جاتے لیکن شاہ صاحب توحید کی طرف بے لاگ دعوت دیتے رہے اور جاہلانہ سوالات کے بھی نہایت حکمت سے جواب دے کر دلوں کے کانٹے نکالتے رہے اس لیے کہ فہم دین اور علم دین میں ان کی ٹکر کا کوئی آدمی نہ تھا اور انسان جب حق کی طرف بلا رہا ہو تو خود حق اتنی بڑی قوت اور رعب والا ہوتا ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسرے ٹھہر نہیں سکتے۔ جس طرح لوہے کی تلوار کا مقابلہ سیسے کی سلاخ سے ممکن نہیں۔ اسی طرح بے غرضی کا مقابلہ خود غرضی سے اور اخلاص کا مقابلہ ریاکاری سے کرنا ممکن نہیں ہے جس جسم میں اخلاص کا جوہر ہو اسے کوئی تلوار کاٹ نہیں سکتی۔

ایک غیر شعوری کیفیت کے تحت شاہ صاحب اپنے آپ کو ایک ایسی تحریک کے لئے تیار کر رہے تھے جو دماغی اور جسمانی صلاحیتیں دونوں ان سے طلب کرنے والی تھی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ علماء کے خاندان میں پیدا ہو کر انہیں سپاہ گری کا شوق کیوں تھا اور آرام کے مقابلے میں مشقت کیوں عزیز تھی۔ لیکن ان کا وجدان ان سے جس چیز کا مطالبہ کرتا رہا۔ وہ اس کی تیاری میں مصروف رہے وہ ایک عظیم دینی تحریک کے ساتھ ملکر اس کا دل و دماغ بننے والے تھے۔

اسی دوران میں انہوں نے پنجاب کا سفر کیا۔ پنجاب سے سکھوں کے مظالم کی داستانیں چھن چھن کر آرہی تھیں۔ وہاں مسلمان اکثریت پر سکھوں کی ایک سفاک جمعیت حاوی ہو گئی تھی جس نے لوٹ مار اور ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ شاہ صاحب بچشم خود ان حالات کا جائزہ لینا چاہتے تھے جن حالات میں مظلوم مسلمان مردوں اور عورتوں اور بچوں کی امداد کے لئے جہاد کی تلوار اٹھانا ضروری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مرزا حیرت دہلوی کی روایت کے مطابق انہوں نے پورے پنجاب کا دورہ کیا اور مسلمانوں کی بے بسی اور سکھوں کے مظالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اسی وقت سے ان کے دل میں جہاد کا جذبہ بھڑکنے لگا تھا اور انہوں نے محسوس کیا تھا کہ آغاز کار کے لئے امداد کے سب سے پہلے مستحق یہ پنجاب کے مظلوم مسلمان ہی تھے جس طرح غیر حق میں سب سے پہلے تلوار کے مستحق یہ ظالم سکھ ہی تھے۔

واپسی پر انہوں نے اور مولانا عبدالحئی صاحب نے سید احمد شہید کی بیعت کر لی۔ اس لئے کہ انہوں نے دیکھ لیا کہ جس مجاہدانہ اضطراب میں وہ مبتلا تھے۔ اس پر اضطراب سفر کے لیے اس منزل کا رہنما یہی شخص تھا۔ یہ پہلے دو ساتھی تھے جو سید احمد شہید کو میسر آئے اور یہ اس خاندان کے چشم و چراغ تھے جو مسلمانوں کے اندر علم دین کی پہاڑی کے چراغ تھے۔ ان کی رفاقت نے اس پیری اور

مریدی کے رسمی سلسلے کو ایک تحریکِ احیائے دین کی شکل میں بدل دیا اور وہ کھل کر سامنے آنے لگے جو مدتوں سے دلوں کی بستیوں کے مکین تھے۔

اس کے بعد تبلیغی دوروں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ جن میں شاہ صاحب ہی اکثر دین کا خالص مفہوم دعوتِ حق کے تقاضے اور توحیدِ خالص کو نکھار کر عوام کے سامنے پیش کرتے رہے۔ عموماً ہر جگہ شاہ صاحب نے عوام میں اور مولانا عبدالحیٔ صاحب نے خواص میں دعوتِ حق کو پھیلایا۔ اور جو باتیں حجروں کے اندر چھپ کر کہتے ہوئے بھی لوگوں کا زہرہ آب ہوتا تھا اب وہ بازاروں میں کہی جانے لگیں اور گلیوں میں پکاری جانے لگیں اور ہر صاحب گوش نے محسوس کیا کہ کرنے کا کام وہی تھا جس کی طرف اللہ کے یہ بندے دعوت دے رہے تھے۔

بعض علمائے سوء نے حج کی عدمِ فرضیت بوجہ خطراتِ جان کا فتوی دیا تو شاہ صاحب نے اپنے علم کی قوت سے اسے رد کیا اور عمل کی قوت سے سید صاحب کے ساتھ فریضہ حج ادا کر کے اس کی ناقابل تنسیخ فرضیت کو ثابت و قائم کر دیا۔

حج سے واپسی کے بعد وہ مسلسل دعوتِ جہاد کے لئے وقف ہو گئے اور بالآخر ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء کو انہوں نے گھر بار اہل و عیال سب کچھ چھوڑ کر جہاد کے لئے ہجرت کی راہ اختیار کی تپتے صحراؤں اور سنگلاخ چٹانوں پر سے گزرتے ہوئے وہ سب سے پہلے قافلے کے ساتھ سرحد پہنچے اور ۲۰ر دسمبر ۱۸۲۶ء کو جہاد کا آغاز کیا۔

انہوں نے سرحد کے مسلمانوں اور سرداروں کو سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے جہاد میں شرکت پر آمادہ کیا اور مسلسل یہ خدمت انجام دیتے رہے، انہوں نے بار بار جہاد کی صف اوّل میں شرکت کی اور قبائے علم میدانِ جہاد کی گولیوں سے چھلنی ہوتی رہی، ان کی جوانگلی جہاد میں اللہ کی راہ میں زخمی ہوئی وہ اسے ہمیشہ انگشتِ شہادت کہتے رہے، انہوں نے اپنے امیر کی رفاقت میں مسلسل انیس جنگوں میں شرکت کی۔ پیہم اللہ کی راہ میں جان و مال کو قربان کیا، مصائب برداشت کئے اور ہنسی خوشی اپنی وہ مضطرب روح اپنے مالک کے حضور نذر کر دی۔ جسے وہ اس دن کے لئے لئے پھرتے رہے جو دن ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کے میدان میں پیش آیا۔

ان کی پیشانی میں گولی لگی تھی ان کی داڑھی خون سے تر بتر تھی اور وہ یہ کہتے ہوئے گولیوں کی بوچھاڑ میں آگے بڑھتے چلے گئے کہ میں تو وہیں جاتا ہوں جہاں امیر المومنین ہیں۔